فروغِ تحقیق کے لیے نصاب کے تقاضے

ہمارے ملک میں ایک نظم کے تحت مطالعات وتحقیق کی روایت، دیگر تمام ملکوں اور معاشروں کی طرح، جامعات اور تحقیقی فروغ کے اداروں میں موجود نظر آتی ہے یا قدرے انفرادی ونجی کاوشوں میں بھی ہم اسے دیکھتے ہیں، جو بالعموم اداروں اور جامعات سے منسلک مصنفین ومحققین نے انجام دیں۔ صورتِ حال جو بھی ہو لیکن اس روایت کے تحت عمومی نوعیت کے مطالعات کے ساتھ ساتھ بہت اعلیٰ سطحی اور معیاری مطالعات وتحقیقات بھی سامنے آئیں جن سے متعلقہ علوم کے خلا کے پُر ہونے کے علاوہ نئی دریافتیں بھی منظر عام پر آئیں اور متعدد قدیم ونو دریافت متون بھی مرتب وشائع ہوئے۔ اس طرح ایک زمانہ تھا کہ تحقیقات ومطالعات میں ہمارے محدود ملکی وسائل کے باوجود علمی سطح پر ہم نے ایسے ایسے عظیم الشان کارنامے بھی انجام دیے کہ عالمی سطح پر بعض شعبوں میں ہماری قوم کے اکابر کا ایک نام بھی رہا۔ سائنس دانوں، انجینیروں اور طبی ماہرین میں بھی ایسے لوگ پیدا کیے، جنھوں نے یہاں اپنے ملک میں بھی اور بیرون ملک آباد ہو کر وہاں بھی، اپنا اور اپنے ملک کا نام روشن کیا۔ معاشرتی علوم اور تعلیم وتحقیق میں بھی ایسے اکابر پیدا کیے_____ خصوصاً تاریخ نویسی میں، جنھوں نے عالمی سطح پر بھی وہ توجہ اور پسندیدگی حاصل کی کہ بطور مآخذ ان کی تصانیف سے استفادہ کیے بغیر عالمی سطح پر متعلقہ موضوعات پر کوئی تحقیقی مطالعہ مکمل اور معیاری نہیں ہوسکتا۔ یہ صورتِ حال اس وجہ سے تھی کہ قیام پاکستان کے وقت یہاں پنجاب یونی ورسٹی ماضی کے ایک شان دار علمی پس منظر کے ساتھ اعلیٰ تعلیمی خدمات اور اپنے ماتحت اداروں کی اعلیٰ معیار تحقیقات کے ساتھ مثالی حیثیت میں مصروف عمل تھی کہ کراچی یونی ورسٹی نے اپنے قیام کے فوری بعد ہی سے ان شان دار علمی روایات میں ایسا بے نظیر اضافہ ان مخلص وفاضل اساتذہ اور منتظمین وماہرین کے سبب کیا جو ہجرت کر کے بھارت کے مختلف علاقوں سے کراچی آ کر آباد ہوئے اور اس شہر کو ایک مثالی علمی وتعلیمی اور تہذیبی گہوارہ بنا دیا۔ یہ دونوں شہر ایک عرصے تک ملک میں اپنی مؤثر تحقیقات ومطالعات کا مرکز بنے رہے، لیکن یہ سب ماضی کی باتیں ہیں۔ اب چاہے جامعات ہوں یا علمی وتحقیقی ادارے، اور چاہے تعلیمی وتحقیقی فروغ کے سب سے مؤثر ادارے ''ہائر ایجوکیشن کمیشن'' (ایچ ای سی) کی کوششوں اور ترغیبات کے باوجود، ماضی کے مقابلے میں، آج ہر طرف بالعموم انجماد وزوال ہی کا منظر عام ہے۔

یہ صورت حال اپنے پس منظر میں سیاست کی کج روی اور سیاست کے تعلیمی اداروں میں در آنے کے سبب اور اس سے زیادہ ۱۹۷۲ء میں تعلیم کے قومی ملکیت میں لیے جانے کے سبب پیدا ہوئی، جس کے بعد تمام ہی سرکاری تعلیمی اداروں

میں نا اہلی اور فرض نا شناسی عام ہوگئی۔ اس کا ایک بڑا سبب سیاسی عمل دخل ہے جس کے نتیجے میں اقربا پروری، سفارشوں اور سیاسی گروہ بندیوں نے اکثر اساتذہ کو نا اہل اور فرض نا شناس بنا دیا اور ان میں ایسے نا اہل، بدکردار اور بدعنوان افراد کو بھی شامل کرنا شروع کیا جو تعلیمی اداروں بالخصوص اعلیٰ تعلیمی اداروں اور جامعات کے روایتی اور مسلمہ مزاج سے کوئی مناسبت نہ رکھتے تھے۔ بالعموم ایسے اساتذہ کی سرپرست اور جائے پناہ سیاست اور سیاسی جماعتیں اور اساتذہ انجمنیں ہوتی ہیں، جن سے منسلک رہ کر وہ نہ صرف مراعات حاصل کرتے اور ترقی پاتے ہیں بل کہ انتظامی عہدوں پر بھی فائز ہوتے اور اپنے ہی جیسے نالائق افراد کے لیے جگہ بناتے رہتے ہیں۔ یہ صورتِ حال بالعموم سارے ملک کی سرکاری جامعات میں نمایاں ہے اور مطالعاتی اور تحقیقی ادارے یہاں تک کہ 'ایچ ای سی' بھی اس صورت حال سے محفوظ نہیں۔ اس لیے تحقیقات و مطالعات میں موجودہ انجماد و زوال کچھ غیر متوقع نہیں۔

جامعات کی حد تک 'ایچ ای سی' کے قیام اور اس کی مثبت و مؤثر کوششوں کے باوصف صورت حال میں کچھ عرصے کے لیے بہتری تو آئی تھی لیکن غیر معیاری اساتذہ اور ان کے سرپرستوں کے منفی و نامناسب اقدامات نے، جن میں جعل سازیاں اور دھوکا دہی بھی شامل ہے، 'ایچ ای سی' کو بھی تاریکی میں رکھ کر اپنے مفادات کو حاصل کرنے میں تامل نہ کیا اور بعض لازمی شرائط کے ذیل میں اپنے مطالعات و تحقیقات کے ضمن میں جھوٹے اعداد و شمار پیش کر کے اپنے تقرر اور ترقیوں کے لیے عالمی سطح کے غیر ملکی تحقیقی مجلوں میں اپنی تحقیقات اور مقالے چھپوانے کے بجائے، کہ جس کی اہلیت ان میں نہیں ہوتی، مقامی نام نہاد "تحقیقی مجلوں"، بل کہ دراصل رسائل میں سرسری اور سطحی مضامین اور وہ بھی سفارشوں پر چھپوا کر انھیں تقرر اور ترقی کے لیے پیش کرتے اور خوشامدوں اور سفارشوں کے ذریعے ان کا شمار کروا لیتے اور کامیابیاں حاصل کر لیتے ہیں۔ ایسے ہی اساتذہ کے زور و اثر کی وجہ سے غیر معیاری اور سرسری و سطحی رسالے 'تحقیقی مجلوں' کے طور پر منظور ہوتے رہے جو غیر معیاری تحقیقات کی اشاعتوں کا بڑا وسیلہ بن گئے۔ یہاں تک کہ ان مجلوں کے درجات کا فیصلہ بھی رو رعایت اور زور و اثر کی بنیاد پر ہوتا رہا ہے۔ ان کے کوائف کے 'ایچ ای سی' میں اکثر خود اس کی اپنی ہی وضع کردہ شرائط کے مطابق جانچنے کے کسی معقول و دیانت دارانہ اہتمام کے نہ ہونے کے سبب اساتذہ اپنے مطلوبہ مفادات حاصل کر لیتے ہیں تو پھر جامعات کا اصل وظیفہ و کردار یعنی مطالعات و تحقیق کا فروغ کیسے ممکن ہو؟ اس لیے برسوں سے جامعات میں ہونے والی تحقیقات کا بڑا حصہ، محض معاشرتی علوم ہی میں نہیں سائنسی علوم میں بھی غیر معیاری اور سطحی ہو کر رہ گیا ہے، جس میں آئے دن اضافہ ہی ہو رہا ہے۔ اس افسوس ناک صورتِ حال میں قومی و علمی حوالے سے ایک بڑا اور دردمندانہ سوال یہ ہوگا کہ اس صورتِ حال کی اصلاح کیسے ہو اور بہتری کیوں کر آئے؟

اس سوال کے جواب میں ہمارا نقطۂ نظر یہ ہے، اور اس کے پس منظر میں ہمارا نصف صدی کا راست تجربہ و مشاہدہ ہمیں یہ جتاتا ہے کہ فی الوقت یہ ممکن نہیں۔ اس صورت حال میں کہ علمی و تحقیقی اداروں کے ذمے داروں، سربراہوں اور

تحقیقی منصوبوں کے نگرانوں یعنی جامعات کے اساتذہ کی اہلیت و دیانت پر اب اعتماد مشکل ہوگیا ہے، اور جن پر اب کلی انحصار نہیں کیا جا سکتا۔ ان ذمے داروں کی موجودگی بلکہ سرپرستی میں نوجوان محققین اور مصنفین یا بل کہ طلبہ کا بھی نقصان ہو رہا ہے اور مطالعات و تحقیقات کے ضمن میں ان کی جیسی معیاری تربیت و رہنمائی ہونی چاہیے اور ان سے جس طرح کے معیاری کام کروائے جانے چاہئیں، یہ سب نہیں ہو رہا ہے۔ طلبہ کی صلاحیتیں نا اہل اساتذہ کے باعث ضائع ہو رہی ہیں اور قوم تعلیم و تحقیق میں اپنے زوال کو روک نہیں پا رہی۔

اس ضمن میں ہماری گزارش یہ ہوگی کہ جہاں کوئی کوشش تحقیق و مطالعات میں بہتری و افادیت کے مقصد سے وضع کی جائے اور انھیں ملک و معاشرے کے لیے مفید بنایا جائے وہیں یہ کوشش بھی جاری رہنی چاہیے کہ اس سطح تک لائق و ہونہار طلبہ کیسے پہنچیں جب کہ ابتدائی سطح پر ہمارا نظامِ تعلیم اور تعلیمی اداروں کا نظم و ضبط بری طرح زوال پذیر ہے اور ان کے نصابات فرسودہ اور قومی و عصری تقاضوں سے ہم آہنگ قطعی نہیں۔ اس نظام کے تحت پروان چڑھنے والے طلبہ میں کتنے فی صد ہوتے ہیں جو ایک مثبت قومی و وفاقی سوچ لے کر نکلتے اور اسے عام کرتے ہیں اور ان میں کتنے ہوتے ہیں جو اعلیٰ سطحی معیاری مطالعات و تحقیق کا ذوق بھی رکھتے ہیں اور ان کے تقاضے پورے کر سکتے ہیں؟

اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے اور نصاب کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارا پختہ تجزیہ ہے کہ ہمارے ملک میں ساری قوم کے لیے صرف ایک نصاب ہونا چاہیے اور ایک اچھے زمانے میں ہمارے ملک میں اس بابت سوچا اور کچھ پیش رفت بھی ہوئی تھی، لیکن افسوس کہ ایک بہت مثبت و معیاری نصاب کی ترتیب و ترویج کے بارے میں کوئی بہت ہمہ گیر اور مؤثر کوشش کبھی بڑے پیمانے پر کی ہی نہیں گئی اور حالیہ تین چار دہائیوں میں سارے ملک کے لیے ایک نصاب کی تیاری و نفاذ کے فوائد اور برکتوں کے بارے میں کسی منصوبہ بندی کے لیے سوچا ہی نہ گیا تو پیش رفت کیا ہوتی؟ چناں چہ ملک میں ایک نصاب کے نہ ہونے کے نقصانات قومی سطح پر اب قوم کے سامنے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ قوم صوبائی حد بندیوں اور آئین میں کی گئی اٹھارویں ترمیم کے باوجود تعلیم کو صوبائی حدود سے نکال کر وفاقی وسعت دے تا کہ ہماری موجودہ اور مستقبل کی نسلیں ایک قومی سوچ اور مشترکہ مقاصد و لائحۂ عمل کی جانب سفر کریں، جو قوم کی بقا و استحکام اور بہبود و ترقی کے لیے انتہائی ضروری ہے۔

اس سے بڑھ کر ہمیں نصاب کو اس قابل بھی بنانے کے لیے سوچنا چاہیے کہ جامعات کی سطح کے نصاب کو اس طور پر ترتیب دیا جانا چاہیے کہ وہ نصاب کے علمی تقاضوں کے ساتھ ساتھ تحقیقی تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھے جو طلبہ میں علمی پختگی کے علاوہ تحقیق کی جستجو اور اس کا ذوق و شوق بھی پیدا کرے اور اسے بتدریج اس طرح پروان چڑھائے کہ جامعہ میں تعلیمی تکمیل کے وقت تک وہ تحقیق کے فنی نکات و لوازم کو بھی سمجھ سکیں اور یہ جان سکیں کہ تحقیق کیا ہوتی ہے، اس کے مقاصد و فوائد کیا ہوتے ہیں اور اس کی رسمیات کیا ہوتی ہیں یا کیا ہونی چاہئیں؟ اگر نصابات میں یہ موضوعات شامل ہوں تو اس

طرح طلبہ میں تحقیق کا ذوق و شعور بھی عام ہوگا اور وہ ابتدا ہی میں معیاری تحقیق کے قابل بھی بن سکیں گے۔ یہ تعلیم کا عملی فائدہ ہوگا جو طلبہ میں عام ہوگا۔ ورنہ جامعات میں بھی ہماری تعلیم کا روایتی اور موجودہ نظام تو طلبہ کو جستجو سے بے بہرہ کرنا، رٹنا اور ذہن کو استعمال نہ کرنا ہی سکھاتا ہے! یہ سب اس وجہ سے ہے کہ ہم نے جامعات کو اب تک صرف تدریس کی جگہ بنائے رکھا ہے کہ ایک روایتی سا نصاب ہو جسے ایک استاد کمرۂ جماعت میں آ کر جیسے تیسے پڑھا دے یا نہ بھی پڑھائے اور امتحان میں لگے بندھے سوالات پوچھ کر اپنا ''فریضہ'' یوں ادا کر دے جو آج بڑی سے بڑی جامعہ میں اکثریت کا ایک عمومی انداز ہے جب کہ جامعات ایک مسلمہ عالمی نظام کے تحت صرف تدریس کے لیے نہیں بل کہ مطالعات و تحقیقات کا فریضہ انجام دینے کے لیے ہوتی ہیں، جہاں نصاب کو خود طلبہ کو اپنے طور پر پڑھنا ہوتا ہے اور اپنا وقت انھیں مطالعے و جستجو میں صرف کرنا ہوتا ہے۔ پھر نصاب کے موضوعات سے منسلک رہتے ہوئے تحقیقی منصوبے تشکیل دے کر مطالعے اور تحقیق کی کوشش بطور مقالہ جات کرنا ہوتا ہے۔ یوں طلبہ اپنے مطالعے میں وسعت پیدا کرتے، نئے موضوعات سوجھتے ہیں اور اس طرح عمدہ اور پختہ تحقیقی منصوبے مکمل ہوتے اور سامنے آتے ہیں اور دراصل مطالعات اور تحقیقات فروغ پاتے ہیں۔